R. No. 2186/57 — Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

# ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 4/-
per Copy-12

| | | |
|---|---|---|
| جلد ۲۶۔ شمارہ ۳۷ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | یکم اکتوبر ۱۹۶۷ء |


اداریہ

## گاندھی جینتی

ہر سال دو اکتوبر کو ہم گاندھی جینتی مناتے ہیں۔ ان کی یاد میں سارے ملک میں جلسے ہوتے ہیں۔ ان میں بڑے بڑے نیتا اور عالم تقریریں کرتے ہیں۔ لوگوں کو گاندھی جی کے راستے پر چلنے کی بڑے زور وشور سے تلقین ہوتی ہے، مگر سچی بات یہ ہے کہ ہم لوگ گاندھی جی کی تعلیم کو بھلا بیٹھے ہیں۔ گاندھی جی نے سب سے زیادہ زور اخلاق کے سدھار اور عدم تشدد پر دیا تھا۔ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا قومی اور انفرادی اخلاق پہلے سے بھی پست نہیں ہوا؟ اور کیا ملک میں آج تشدد کو فروغ نہیں ہو رہا ہے۔ گاندھی جی دیش کے بلاتفریق مذہب وملت قائل تھے۔ آج کہیں علاقے کی بات ہوتی ہے، کہیں زبان کی، کہیں فرقے کی، کہیں ذات کی۔ دیش کی بات اور سب کی بھلائی اور ترقی کی بات کم ہوتی ہے اور ہوتی ہے تو بہت کم لوگ اس کو دھیان میں رکھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ گاندھی جی نے ملک میں اتحاد و اتفاق کی تلقین کی تھی۔ آج کوئی بیرونی خطرہ سامنے آتا ہے تو لوگ تھوڑی دیر کے لیے متحد ہوجاتے ہیں، مگر ذرا خطرہ کم ہوا تو آپس میں اختلافات شروع ہوجاتے ہیں۔ گاندھی جی چاہتے تھے کہ تعلیم قومی کردار بنائے اور لوگ ہاتھ سے کام کرکے اپنی تخلیقی صلاحیت کو ابھاریں۔ ہماری تعلیم قومی کردار کو بڑھاوا نہیں دے رہی ہے۔ نہ لوگوں کی تخلیقی صلاحیت کو اچھے اور تعمیری کاموں میں لگایا جا رہا ہے اسی لیے سیلاب کی طرح یہ کبھی بستیاں اجاڑ دیتی ہے کبھی ہر طرف تباہی مچا دیتی ہے۔ ہم نے گاندھی جی کے نام پر اسکول کھولے ہیں، اسپتالوں، سڑکوں، عمارتوں کے ساتھ ان کا نام جوڑ دیا ہے۔ ہم ہر تقریر ان کے نام سے شروع کرتے ہیں اور جب آزادی کی جدوجہد کا ذکر آتا ہے تو انھیں بھی خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ مگر یہ سب اوپری باتیں ہیں۔ تھوڑے سے لوگوں کے سوا، ملک بھر نے گاندھی جی کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ دوسرے ملکوں میں اب بھی ایسے لوگ مل جائیں گے جو ان کے فلسفے سے متاثر ہیں، اس فلسفے کی وجہ سے ان کی زندگی بدل گئی ہے اور وہ قومی کاموں میں نئے جذبے کے ساتھ لگ گئے ہیں۔ ہمارے یہاں عام زندگی پر، سیاست پر، لوگوں کے سوچنے کے طریقے پر ان کے عمل اور ردعمل پر گاندھی جی کی تعلیم کا کوئی بھی اثر نہیں معلوم ہوتا۔ برنارڈ شا نے کہا تھا کہ دنیا اپنے سنتوں اور بزرگوں کے ساتھ ہمیشہ برا سلوک کرتی آئی ہے۔ وہ مر جائیں تو ان کو یاد کرتی ہے۔ لیکن اگر وہ پھر زندہ ہوجائیں تو ان کو پھر مار ڈالے گی۔ ایسا لگتا ہے کہ گاندھی جی اگر آج پھر زندہ ہوجائیں تو شاید ان کے ساتھ پھر یہی سلوک کیا جائے۔ ہمیں کبھی تو اپنے گریبان میں منھ ڈالنا چاہیے کبھی تو اپنے نفس کا احتساب کرنا چاہیے۔ کبھی تو ان کی جن باتوں کو ہم مانتے ہیں ان پر واقعی عمل کرنے کی بھی کوشش کرنا چاہیے۔ آخر کونسی بات ہے جو تبادلۂ خیال سے، ٹھنڈے دل سے غور کرنے سے، مل کر ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش سے طے نہیں ہوسکتی۔ یہ تشدد کیوں بڑھ رہا ہے۔ یہ غصہ، یہ تخریبی کارروائیاں، یہ فسادات، یہ جھگڑے، یہ فائرنگ، یہ طوفان بدتمیزی کس لیے۔ ۱۹۶۹ء میں گاندھی جی کی پیدائش کا صدسالہ جشن منایا جائے گا۔ یقیناً اس میں بڑی دھوم دھام ہوگی، لیکن گاندھی جی کی تعلیم پر توجہ کے اگر اب تک کوئی آثار نہیں ہیں تو دو برس میں ہم کیا انقلاب برپا کرلیں گے۔ کم سے کم ہمیں ملک وقوم کی خاطر اور گاندھی جی کی خاطر اس بڑھتے ہوئے تشدد، نفرت کے اس طوفان، لڑائی جھگڑے کی اس فضا کو تو کسی طرح روکنا چاہیے۔ اس کے لیے کسی نمائشی تحریک کی ضرورت نہیں ہم سب کو اپنے طور پر اس کی کوشش کرنا چاہیے۔ گاندھی جی کا نام چاہے کم لیا جائے مگر ان کے راستے پر تو ہم چل سکیں۔ اگر واقعی ہمیں گاندھی جی عزیز ہیں تو پھر اس نیک کام میں دیر کیوں کریں۔

## اختلاف کا مفروضہ اور اتحاد کی دعوت

۲۳ ستمبر کے قومی آواز میں یہ خبر شایع ہوئی ہے کہ بمبئی کے کچھ اردو دوست اردو والوں کا ایک کنونشن بلانا چاہتے ہیں اور اکتوبر کے دوسرے یا تیسرے ہفتے میں بمبئی ہی میں یہ کنونشن کرنے کا خیال ہے۔

ظاہر ہے کہ اردو کنونشن کا خیال بہت اچھا ہے، مگر ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ سردار جعفری نے یہ کیسے کہہ دیا کہ اردو کے وہ لوگ جنھیں اردو کی آواز سمجھا جاتا ہے۔ آپس میں اس حد تک اختلاف رکھتے ہیں کہ ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھنے اور اردو کے لیے کوئی ٹھوس اور متفقہ لائحۂ عمل تیار کرنے کے لیے آمادہ نظر نہیں۔ سردار جعفری نے اس سلسلے میں خاص طور پر آنند نرائن ملا، آل احمد سرور اور حیات اللہ انصاری کا تذکرہ فرمایا اور ان کے موجودہ رویے پر اظہار افسوس کیا۔"

ہمیں معلوم نہیں کہ سردار جعفری نے یہی بات کہی ہے یا ان کے خیالات صحیح طور پر پیش نہیں کیے گئے۔ اگر انھوں نے یہی بات کہی ہے تو ہم نہایت اعتماد سے کہتے ہیں کہ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔ آنند نرائن ملا، آل احمد سرور اور حیات اللہ انصاری انجمن ترقی اردو ہند کے ممبر ہیں اور انجمن کی پالیسی کے پابند۔ اس پالیسی کی تشریح میں یا اس کے کسی جز پر زور دینے میں تھوڑا بہت ضمنی فرق ہو سکتا ہے۔ مگر بنیادی اور اصولی اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ غالباً سردار جعفری صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ انجمن ترقی اردو ہند کے جلسوں میں یہ سب لوگ برابر مل بیٹھتے ہیں اور سب باتیں متفقہ طور سے طے ہوتی ہیں۔ انجمن کا مطالبہ یہ ہے کہ اتر پردیش، بہار اور دلی میں اردو کو بھی ان مقاصد کے لیے جن کی صراحت صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم کے نام یادداشتوں میں کی جا چکی ہے، سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔ دستور کے ایک باب کا عنوان علاقائی زبان بھی ہے۔ مگر دستور کے متن میں صرف سرکاری زبان کا ذکر ہے۔ ملا صاحب نے ایک تقریر میں یہ ضرور کہا کہ علاقائی کا لفظ سرکاری سے بہتر ہے، مگر یہ ایک ذاتی رائے تھی اور انھوں نے انجمن کے موقف کو بدلوانے کی اور سرکاری کے بجائے علاقائی کا لفظ استعمال کرانے کی کوئی تحریک نہیں کی۔ آل احمد سرور کا نام نہ معلوم کیوں اس فہرست میں شامل کر لیا گیا۔ سردار جعفری جیسے ذمہ دار شخص سے اس کی توقع نہیں تھی۔ واقعہ تو یہ ہے کہ آج اردو دوستوں میں جتنا اتفاق ہے اتنا پہلے کبھی نہ تھا۔ اتفاق کی ضرورت بھی آج جتنی ہے اتنی کبھی نہ تھی۔ کسی کی تقریر کی بنا پر اور اس پر تبصرے کی بنا پر یہ سمجھ لینا کہ ان دونوں میں ایسے اختلافات ہیں کہ وہ ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہیں سراسر غلط بیانی ہے۔ جہاں اختلاف نہ ہو وہاں اختلاف دیکھ لینا یا ایک لفظ کے استعمال کے متعلق رائے میں فرق کو بہت بڑی خلیج سمجھ لینا اور متعلقہ حضرات سے ان کے خیالات معلوم کیے بغیر ایک رائے قائم کر لینا اور جھٹ یہ تجویز پیش کر دینا کہ ان اختلافات کو دور کرنے کے لیے ایک کنونشن طلب کیا جائے۔ سنجیدہ اور ذمہ دار اشخاص کا یہ فرض ہے کہ وہ رائے قائم کرنے سے پہلے پوری بات کی تحقیق کر لیا کریں۔

---

## مولانا آزاد کی تفسیر انگریزی میں

بمبئی ۲۰ ستمبر۔ مولانا آزاد کی مشہور تفسیر "ترجمان القرآن" کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت عمل میں آ رہی ہے۔

جنوبی ہند کے ایک فاضل ڈاکٹر سید عبداللطیف نے یہ ترجمہ کیا ہے اس کی دوسری جلد بھی شائع کر دی گئی ہے۔

ترجمان القرآن کا آغاز مولانا آزاد نے اس وقت کیا تھا جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ (قومی آواز)

## مرزا غالب کی صد سالہ تقریبات
### ناگری پرچارنی سبھا کتاب شایع کرے گی

بنارس ۲۰ ستمبر غالب اکاڈمی ممبران کا ایک جلسہ یکم ستمبر کو "گلستان انور" محلہ مدن پورہ میں ہوا۔ جس میں بنارس کے شایان شان مرزا غالب کی سو سالہ برسی منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ صدر جلسہ شری سدھاکر پانڈے سکریٹری ناگری پرچارنی سبھا نے اعلان کیا کہ اس موقع پر سبھا کی طرف سے ایک کتاب "غالب اور بنارس" شائع کرے گی جس میں مثنوی "چراغ دیر" بھی شامل ہوگی جو مرزا غالب کے قیام بنارس کی اہم یادگار ہے۔

مرزا غالب ۱۸۲۷ء میں کلکتہ جاتے ہوئے بنارس ٹھہرے تھے صد سالہ تقریبات ہفتے بھر تک مختلف اداروں میں منائی جائیں گی۔ ان کا پروگرام غالب اکاڈمی اور برسی کمیٹی کے اراکین مرتب کریں گے۔ ایک خاص تقریب اس حویلی میں منائی جائے گی جہاں غالب ٹھہرے تھے۔

## سرکاری ملازموں کو کتابیں تصنیف کرنے کا مشورہ

جے پور۔ حکومت راجستھان نے ان سرکاری ملازموں کو ۱۰۰۰ روپے تک انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے جو کسی خاص موضوع پر جس کا تعلق ان کے مفوضہ سرکاری فرائض سے ہو کتابیں لکھیں گے اساتذہ، پروفیسروں، ڈاکٹروں، انجینیروں اور دوسرے سرکاری ملازموں کی اس سلسلے میں حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ اس قسم کے سرکاری ملازموں کو دو سال تک ۵۰ روپے ماہانہ سے ۱۵۰ روپے ماہانہ تک خاص تنخواہ دی جائے گی۔ انعامات اور خاص تنخواہ کی منظوری کے لیے ماہرین کی ایک کمیٹی قائم کر دی گئی ہے۔

ڈاکٹر عبدالودود

# اردو زبان کی تدریس اور اردو کے ذریعہ تعلیم
## مسائل اور حل

لسانی بنیاد پر صوبوں کی تقسیم کے بعد علاقائی زبانوں کی اہمیت زیادہ ہوگئی ہے۔ اب سب سے پہلے علاقائی زبان کو اس کا مناسب مقام دلانے کی کوشش کی جاتی ہے اس کے بعد ہندی یا دوسری زبانوں کے بارے میں سوچا جاتا ہے۔ ان زبانوں کے حدود متعین ہیں۔ حکومتیں علاقائی زبان کے فروغ کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہی ہیں۔ ابتدائی درجات سے یونیورسٹی درجات تک علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنایا جا رہا ہے۔

اردو کا اپنا علاقہ ایک صوبہ تک محدود نہیں ہے۔ اسے ہم اردو کی بے پناہ مقبولیت اور وسعت کی نشانی سمجھتے ہیں۔ اردو چند سو میل کے رقبہ میں محدود بھی نہیں ہو سکتی۔ اس کی سرحدیں ہندوستان کی سرحدوں سے بھی پرے ہیں۔ اردو صرف ایک ہی صوبہ کی علاقائی زبان نہیں ہے اس لیے اس کے فروغ و بقا کی ذمہ داری حکومتوں پر ہی نہیں، بلکہ عوام پر بھی عائد ہوتی ہے۔ اس طرح اردو صرف ایک صوبہ کا مسئلہ نہیں بلکہ سارے ملک کا مسئلہ ہے۔ "اردو زبان کی تدریس اور اردو کے ذریعہ تعلیم" کے مسائل، سارے ملک کے مسائل ہو جاتے ہیں۔ افسوس کہ اب تک ہندوستان کی کسی بھی یونیورسٹی میں اردو ذریعہ تعلیم نہیں ہے۔

اب یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحانات، ہندی اور انگریزی کے علاوہ دوسری علاقائی زبانوں میں بھی ہوں گے۔ یقیناً ان میں اردو بھی شامل ہوگی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں کیسے اردو داں امیدوار شریک ہوں گے۔ کیا صرف زبان جاننا ہی کافی ہوگا؟ اردو میں جب تک دوسرے مضامین کے مطالعہ کا بندوبست نہیں ہوتا، اس وقت تک ان امتحانات میں شریک ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس طرح ملک میں کم از کم ایک اردو یونیورسٹی کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔ جب دوسری زبانوں میں اعلیٰ تعلیم کا انتظام کیا جا چکا ہے تو اردو اس سے کیوں محروم ہے اردو یونیورسٹی ملک کی ایک اہم ضرورت ہے۔

لیکن صرف اردو یونیورسٹی ہی ضروری نہیں۔ یونیورسٹی کے علاوہ ہم ایک دوسرے ادارے کی ضرورت بھی محسوس کرتے ہیں۔ اس ادارہ کا دائرہ عمل یونیورسٹی سے زیادہ وسیع ہونا چاہیے۔ اسے اردو کے ذریعہ تعلیم کے مختلف مسائل کا جائزہ لینا اور ان کا حل تلاش کرنا چاہیے۔ یہ دیکھنا چاہیے کہ ملک کے مختلف حصوں میں اردو کے ذریعہ تعلیم کا مناسب بندوبست ہے یا نہیں۔ اس کی پالیسی سارے ملک کے لیے یکساں ہونی چاہیے۔ اسے مرکزی حکومت صرف مالی امداد ہی نہ دے بلکہ اس کی اہمیت کے اعتراف کے طور پر اسے تسلیم بھی کرے۔

اس ادارہ کا سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ اردو زبان و ادب کی تعلیم کے لیے ابتدائی ثانوی اور یونیورسٹی درجات کا نصاب تیار کرے اور اسے شائع بھی کرے۔ یہ معیاری نصاب تمام صوبوں کے اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں اپنایا جانا چاہیے۔ اس سے معیار یکساں ہوگا، نصابی کتابوں کی کمی کا مسئلہ بھی حل ہوگا اور ایک مقصد کے لیے متحد ہو کر کام کرنے کا احساس بھی پیدا ہوگا۔ آج اس کی ضرورت ہے کہ برسوں پہلے بغیر غور و فکر کے باغ و بہار اور فسانۂ عجائب کے چند صفحات، سحر البیان اور گلزار نسیم کے اشعار اور قصائد و غزلیں شامل کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا اسے تبدیل کیا جائے۔

ہندوستان کی بعض یونیورسٹیوں میں کسی ایک شاعر یا ادیب کی ایک کتاب نصاب میں شامل رہتی ہے، ہم اسے مناسب نہیں سمجھتے اس سے یقیناً یہی کتاب آسانی سے فراہم ہو جاتی ہے، ناشر کو بھی نقصان کا اندیشہ نہیں رہتا اور طلبہ کو بھی آسانی ہو جاتی ہے، کیونکہ مختلف شاعروں اور ادیبوں کا مطالعہ کرنے سے نجات مل جاتی ہے۔ چند سال پہلے ایک یونیورسٹی میں نثر کا پرچہ صرف مقدمۂ شعر و شاعری پر مشتمل تھا، ایک یونیورسٹی میں پہلے مکمل سحر البیان پڑھائی جاتی تھی، بعد میں اس کی جگہ گلزار نسیم نے لے لی۔ چند یونیورسٹیوں میں یادگار غالب اور مولوی عبدالحق کی چند تصنیفیں بی اے، سال اول اور سال دوم میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ طریقہ کار اچھا نہیں ہے۔ ایسا بہترین انتخابات کی کمی کی وجہ سے ہی کیا جاتا ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ماہرین تعلیم سب سے پہلے اردو زبان کی تعلیم کی اس اہم ضرورت پر غور کریں اور ایسا معیاری نصاب مرتب کریں جو ہندوستان کی تمام یونیورسٹیاں اختیار کر لیں۔ ابتدائی اور ثانوی درجات کے لیے بھی معیاری نصاب مرتب کرنا چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ سارے ملک میں یہ نصاب اختیار کیا جائے۔ اس سلسلہ میں مکتبہ جامعہ نے بہت کچھ کام کیا ہے۔ بہترین معیاری نصاب مرتب کیا ہے جو مقبول بھی ہوا ہے۔ کوشش یہ ہو کہ سارے ملک میں یکسانیت لانے کے لیے اسے اپنا لیا جائے۔

اردو کے ذریعہ تعلیم دینے کے لیے یونیورسٹی یا کالج کھولنے سے پہلے ضروری ہے کہ مختلف علوم و فنون کی کتابیں اردو میں شائع کی جائیں۔ ہم نے جس ادارہ کی تجویز پیش کی ہے اس کا ایک شعبہ دارالترجمہ ہو۔ حیدرآباد میں ترجمہ کا جو کام کیا گیا تھا اس سے استفادہ کرنا چاہیے دوبارہ ترتیب و تدوین کے بعد اس کی اشاعت کرنی چاہیے۔ اس وقت سب سے اہم ضرورت ایک دارالترجمہ کی ہے تاکہ مختلف مضامین کی کتابیں شائع ہو سکیں۔ ابتدائی، ثانوی اور یونیورسٹی درجات کے نصاب کے مطابق مختلف علوم و فنون کی کتابوں کی ترتیب و اشاعت بھی اس ادارہ کی ذمہ داری ہونی چاہیے۔

اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے سے پہلے اساتذہ فراہم کرنے کا سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔ کچھ صوبوں میں ابتدائی تعلیم اردو کے ذریعہ دی

جاری ہے لیکن وہاں کی حالت زیادہ بہتر نہیں ہے۔ اساتذہ نہ تو اچھی اردو جانتے ہیں اور نہ ہی انھیں بہتر ٹریننگ دی جاتی ہے۔ ہندی کے ذریعہ ہائر سکنڈری یا بی اے کا امتحان پاس کرنے والوں کا تقرر اردو کے ذریعہ تعلیم دئے جانے والے پرائمری اور مڈل اسکولوں میں کر دیا جاتا ہے۔ ایسے اساتذہ کس طرح دیگر مضامین اردو میں پڑھاتے ہوں گے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جب ابتدائی اسکولوں میں یہ حالت ہے تو ہائر سکنڈری اسکولوں اور کالجوں میں اردو کے ذریعہ تعلیم دینے والے اساتذہ کہاں سے فراہم ہوں گے؟ یہ مسئلہ بھی ہمارے سامنے آتا ہے۔ اساتذہ فراہم کرنے کا سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ یہ ادارہ ملک کے مختلف حصوں میں ایسے ٹریننگ اسکول اور کالج کھولے جہاں اردو کے ذریعہ تعلیم دینے کی ٹریننگ دی جائے۔ ایسے اسکولوں اور کالجوں کا انتظام اس ادارہ کے ہی ذمہ ہو۔ صوبائی حکومتوں سے صرف اقتصادی امداد لی جائے۔ ایسے اسکولوں اور کالجوں کے امتحان کی ذمہ داری اردو یونیورسٹی کی ہونی چاہئے۔ صوبائی حکومتوں سے درخواست کی جائے کہ اردو کے ذریعہ تعلیم دینے کے لیے ایسے اساتذہ کا ہی تقرر کریں جو اس ادارہ کے تربیت یافتہ ہوں۔ ایسے بہت سے اسکول نظر آتے ہیں جہاں اردو کے ذریعہ تعلیم دینے کے لیے اساتذہ کا صرف مسلمان ہونا ہی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ حکام کے نزدیک مسلمان ہونا ہی اس کی ضمانت ہے کہ انھیں اچھی اردو آتی ہے۔ یہ دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی جاتی کہ انھیں اردو آتی بھی ہے یا نہیں۔ صوبائی حکومتوں کے سامنے یہ تجویز بھی رکھی جائے کہ ایسے اداروں کی نگرانی و انتظامات کے لیے جہاں اردو ذریعۂ تعلیم ہے اردو داں حکام کا ہی تقرر کیا جائے۔ ایسے حکام جو اردو نہیں جانتے اردو کے مسائل سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔

ہم اردو زبان اور تعلیم کے سلسلہ میں دیوناگری رسم الخط کی بات بھی کرنا چاہتے ہیں۔ اردو کی مخالفت کے باوجود آزادی کے بعد کے سال یہ ثابت کرتے ہیں کہ اردو کی مقبولیت میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ اردو نے ان لوگوں میں مقبولیت حاصل کی ہے جو اردو رسم الخط نہیں جانتے۔ ایسے لوگ دیوناگری میں مطبوعہ اردو تخلیقات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ دیوناگری میں شائع ہونے والے اردو رسائل بھی بہت زیادہ مقبول ہوئے ہیں اس لیے دیوناگری کی اہمیت نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ اس پہلو پر بھی ہمیں غور کرنا چاہیے۔ ہم میں سے بہت سے دیوناگری رسم الخط کا نام سنتے ہی چونک جاتے ہیں۔ ان کے ذہن میں بہت سے شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ ہندی کے حامیوں کا وہ نظریہ ہے جو اردو کو ہندی کا ایک اسلوب کہتا ہے۔ ایسے لوگ اردو کو ہندی سے قریب لے آنے کی تجویز بھی پیش کرتے ہیں۔ اس تجویز کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ اردو کو ہندی میں ضم کر دیا جائے۔ ایسی حالت میں ان تجاویز کو شک و شبہہ کی نظر سے ہی دیکھا جائے گا۔

اردو زبان اور اس کا رسم الخط ہمارے لیے عہد وسطیٰ کی مشترک تہذیب کا ایک شاندار تحفہ اور قابل فخر یادگار ہے فی الحال رسم الخط تبدیل کرنے کے بارے میں سوچنا بھی نہ چاہیے دوسرا رسم الخط اپنا لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ دیوناگری رسم الخط اپنانے سے پہلے سارے سرمایۂ ادب کو دیوناگری میں منتقل کرنا ضروری ہے۔ یہ دو چار سال کا کام نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک بہترین منصوبہ اور کثیر سرمائے کی ضرورت ہے۔ اگر نئی نسل کو صرف دیوناگری میں ہی تعلیم دی گئی تو وہ اردو کے کثیر سرمایۂ ادب کے مطالعہ سے محروم رہے گی اور اردو کی تاریخی و تہذیبی اہمیت بھی نہیں سمجھ پائے گی۔ اردو کا لفظ ذہن میں آتے ہی جس مشترک تہذیب کا تصور سامنے آتا ہے وہ اوجھل ہو جائے گا۔

جدید تقاضوں کو ہم بالکل ہی نظر انداز کر دیں یہ ممکن نہیں ہے۔ نئے حالات سے ہمیں سمجھوتہ کرنا چاہیے اور ایک متوازن راہ اختیار کرنی چاہیے۔ اپنے نظریات میں تھوڑی سی لوچ پیدا کرنی ضروری ہے۔ ہم نے بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہیں جنھوں نے صرف دیوناگری کے ذریعہ اردو زبان و ادب کا مطالعہ کیا ہے اور شعر و ادب کا بڑا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ دیوناگری میں بہت کم سرمایہ منتقل ہوا ہے اس لیے ایسے لوگوں میں اردو رسم الخط جاننے کی خواہش بھی دیکھی گئی ہے ہمارا خیال ہے کہ دیوناگری رسم الخط ایسا نہیں ہے جسے نظر انداز کیا جا سکے۔ ملک میں ایک ایسے ادارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو اردو کے سرمایۂ ادب کو دیوناگری میں منتقل کرے۔ اس سے نہ تو اردو کو نقصان پہنچے گا اور نہ اردو رسم الخط کو۔

دیوناگری میں سرمایۂ ادب منتقل کرنے کی تجویز کا مقصد یہ نہیں ہے کہ غیر اردو داں حلقہ میں اردو رسم الخط کی تبلیغ نہ کی جائے۔ اردو رسم الخط سے تو واقف ہونا بہت ضروری ہے۔ کوشش یہ کی جائے کہ تمام یونیورسٹیاں اردو کے سرٹیفکٹ اور ڈپلوما کورس شروع کریں۔ اس کام کی ابتدا یونیورسٹیوں سے تعلق رکھنے والے اردو کے اساتذہ کر سکتے ہیں۔ ان یونیورسٹیوں سے ربط رکھنے والے ان کالجوں میں جہاں اردو کی تعلیم کا بندوبست ہے اردو سرٹیفکٹ اور اردو ڈپلوما کورس شروع کیے جائیں تاکہ اردو رسم الخط سے ناواقف استفادہ کر سکیں۔

اردو زبان اور اردو کے ذریعہ تعلیم کے بہت سے مسائل ہیں۔ انھیں حل کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم نے اب تک صرف تجویزیں پاس کی ہیں اور مطمئن ہو گئے ہیں۔ اب عمل کی ضرورت ہے۔ ایک بہترین منصوبے کی ضرورت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم تجویزیں پاس کرتے رہیں اور اردو صرف بول چال کی زبان یعنی "بولی" ہو کر رہ جائے۔ ریڈیو سے اردو پروگرام اور خبروں کا نشر ہونا، اس کی علامت تو نہیں ہے کہ اردو کی اہمیت کا اعتراف کر لیا گیا ہے۔ سرکاری اشتہارات کی اردو میں اشاعت اور سڑکوں

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

# غزلیں

**محمود خاور**

جب تم مرے قریب سے ہو کر گزر گئے ۔۔۔ دل میں نہ جانے کتنے ستارے اتر گئے
اک شمع جل اٹھی ہے خیالوں کی اوٹ میں ۔۔۔ کچھ گیت رنگ بن کے فضا میں بکھر گئے
سرگوشیوں میں گردشِ دوراں نے یہ کہا ۔۔۔ جینے کی آرزو میں کئی لوگ مر گئے
ٹیکا شبِ سیاہ کے ماتھے سے پھر لہو ۔۔۔ پھر نقشِ اعتبارِ محبت ابھر گئے
جب تیرگی میں آپ کے نقشِ قدم ملے ۔۔۔ محسوس یہ ہوا ہے کہ رستے نکھر گئے
ہر صبح کو بجھے کے ترا نامۂ دفا ۔۔۔ لیکر شبِ فراق کو ہم تا سحر گئے
دل کی گلی سے ہنسکے گزرتا نہیں کوئی ۔۔۔ جو ساتھ ساتھ تھے وہ نجانے کدھر گئے

محمودؔ اعتبارِ وفا بھی نہیں رہا
سارے حسین خواب یکایک بکھر گئے

**رئیس مینائی**

اک سکوت بیکراں راستوں پہ سویا ہے
اور ہجومِ مہوشاں منزلوں پہ ٹھہرا ہے
زندگی کی راہوں میں ہر طرف اجالا ہے
شہرِ دل میں درد کا چاند جب سے چمکا ہے
کون کس کا ساتھی ہے یہ بتا دیا دنیا نے
ایک رشتۂ غم ہی ہم کو راس آیا ہے
زندگی کے دشت میں ہم اکیلے رہ گئے
شہرِ آرزو بھی اب کتنا سونا سونا ہے

**خالد رحیم**

تم سے ملنے ٹھہر گیا ہے چاند
دیکھو چھت پر اتر گیا ہے چاند
منہ چھپائے ہوئے ہے بادل میں
ہجر کی شب سے ڈر گیا ہے چاند
نور کے دل ربا شگوفوں سے
میرے دامن کو بھر گیا ہے چاند
تم اداس میں ڈھونڈتے کیوں ہو
دن میں پچھمی کے گھر گیا ہے چاند
ابر کے رتھ پہ بیٹھ کر خالد
آج جانے کدھر گیا ہے چاند

## جوشؔ ملیح آبادی کی صدارت میں اردو لغت کی تدوین

لکھنؤ۔ ہندو پاک کے ممتاز اردو شاعر جوش ملیح آبادی نے یہاں ایک ملاقات میں خیال ظاہر کیا کہ اردو زبان کا قد دوسری عالمگیر زبانوں کے مقابلے میں بڑا نہ سہی لیکن اس کے پاٹ اور چوڑائی کی کوئی حد نہیں ہے۔

جوش صاحب جو حکومت پاکستان کے ترقی اردو بورڈ کے صدر ہیں جن کی رہنمائی میں اردو لغت کی تدوین کا کام دس سال سے جاری ہے تین ہفتے سے اپنے آبائی وطن ملیح آباد آئے ہوئے ہیں۔ ایک استفسار پر انھوں نے اردو لغت کی تدوین کے طریقہ کار پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ ہر لفظ کے تین دور قائم کئے گئے ہیں قطب شاہی سے ولی دکنی تک پھر ولی دکنی سے مرزا غالب تک پھر مرزا غالب سے موجودہ عہد تک ہر دور میں ایک لفظ جس جس طرح استعمال ہوا ہے اس کی کم سے کم دو دو سندیں نثر و نظم سے پیش کرنا لازمی زیادہ سندیں اگر ہو جائیں تو پیش کی جا سکتی ہیں مثال کے طور پر انھوں نے بتایا۔ "اٹھ" کا لفظ ان تینوں دوروں میں ۶۰ طریقوں سے استعمال ہوا ہے جس کو سندوں کے ساتھ قلم بند کر لیا گیا تھا۔ انھوں نے کہا: ایک دن آرام کے لیے پلنگ پر جاتے وقت اچانک ذہن میں آیا کہ اس لفظ کا ایک استعمال اور بھی ہے جو ہمارے اردو بولنے والوں کی زبان پر ہے یعنی انگریزی لفظ "پلیز" کے معنی میں "اٹھو ذرا پاندان اٹھا دو" اس طرح لفظ "اٹھ" کے اکسٹھ طریقہ استعمال ہو گئے۔" جوش صاحب نے انکشاف کیا کہ ایک لفظ "اندھا" ہے جس کا ۸۰ طریقوں سے استعمال اردو ادب میں ملتا ہے اسی طرح "آنکھ" "آنکھیں" اور "آنکھوں" کے استعمال کے طریقوں کی مجموعی تعداد تین سو سے زیادہ ہے اور "بات" کے استعمال کے ۹۰ سو مختلف طریقے ملتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ترقی اردو بورڈ کا عملہ تقریباً ساٹھ افراد پر مشتمل ہے جو اردو ادب کے مطالعے میں اور الفاظ کے طریقہ استعمال کی نشان دہی میں مصروف ہے اس کے علاوہ دوسرے اہل زبان سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے جس کے سلسلے میں ان کو نذرانہ بھی پیش کیا جاتا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ دس برس میں اب تک حرف "پ" تک لغت پہونچی ہے اور خیال ظاہر کیا کہ "پھر بھی میں پوری طرح مطمئن نہیں ہوں۔ اردو زبان کے الفاظ کے بارے میں جوش صاحب نے بتایا کہ وہ تمام الفاظ جو اردو میں رائج ہیں چاہے ہندی کے ہوں یا سنسکرت کے انگریزی کے ہوں یا عربی فارسی کے اس اردو لغت میں شامل ہیں۔

دوران ملاقات میں جوش صاحب نے ایک لفظ "اوانا" کی دلچسپ تشریح کی اور بتایا کہ ہندی کے دو لفظ ان "داتاج" یا "باسن" "برتن" سے مل کر "اوانا" بنتا ہے ہندی میں "ا" یا "ما" سے کثرت سے بدل جایا کرتا ہے۔

انھوں نے بتایا کہ "اوانا" کے معنی ہیں کورے باسن (برتن) میں ابتدا وہ چیز رکھو جس کے لیے برتن بنا ہے کورے برتن کی قوت جاذبہ کو صرف کر دینا ہے تاکہ بعد میں جو کچھ اس میں رکھا جائے وہ ذرا بھی جذب نہ ہو۔

جوش صاحب نے بتایا کہ اس لفظ سے "اوانسا" جس کے معنی مستعمل چیز کے اب لیے جاتے ہیں بنا ہے۔ اور انھوں نے خیال ظاہر کیا کہ انگریزی لفظ "بیسن" (ہاتھ منہ دھونے کا برتن) "باسن" سے لیا گیا ہے۔

(قومی آواز)

## مراسلات

# ایک علمی مسئلے کے بارے میں اظہارِ خیال

میں نے ہماری زبان مورخہ یکم جولائی ۱۹۶۶ء میں مراسلات کے تحت اہلِ علم کے سامنے اپنا سوال پیش کرکے اس کے حل کے لیے علماء کو دعوتِ فکر دی تھی وہ یہ ہے۔ " براہِ کرم ان پر کوئی روشنی ڈالیں کہ قدیم سے اردو کی قلمی کتابوں میں اور آج سے ستر بہتر برس پہلے کی مطبوعہ کتابوں میں ٹ، ڈ، اور ڑ جیسے حرفوں کی کتابت میں چار نقطے استعمال کیے جاتے تھے۔ بعد میں ان حرفوں پر نقطوں کی بجائے (ط) لکھا جانے لگا۔ اس کا موجد کون ہے؟ اور (ط) سے کیا مراد ہے؟ نیز غیر زبان کے مخصوص حرفوں کے لیے (ہ) کیوں لکھا جاتا ہے؟ اور یہ عمل کب سے شروع ہوا؟ " بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ایک سال سے زاید عرصہ ہوتا ہے۔ ہندوپاک کے کسی اہلِ علم نے بھی ان پر روشنی ڈالنے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔ آخر پھر مجھ ہی کو ان کے بارے میں سوچ بچار کرنا پڑا۔ میری سوجھ اور کھوج نے جو کچھ سمجھایا، اسے اب اہلِ علم کے روبرو پیش کرتا ہوں یہ امر واقعہ ہے کہ مولوی محمد حسین آزاد غدر کی تباہی کے بعد اپنے وطن سے نکل کر حیران اور پریشان پھرتے پھراتے ۱۸۶۴ء میں لاہور پہنچے اور وہاں سررشتۂ تعلیم پنجاب میں ملازم ہو گئے۔ کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر تعلیم کے ایما سے جو اردو زبان کی ترقی و اشاعت کے حامی اور مربی تھے۔ اردو کی درسی کتابوں کی ترتیب و طباعت کی ایک اسکیم بنی۔ اس کے بموجب موصوف نے (جو اردو کے بڑے ادیب، فارسی کے جید عالم اور ماہرِ تعلیم تھے) اردو کا قاعدہ، اس کی پہلی، دوسری اور تیسری، قصص ہند، اردو قواعد اور فارسی کی ریڈریں مرتب کیں اور قواعد میں اردو اعرابوں کا نقشہ بھی دیا، تاکہ پڑھنے لکھنے میں سہولت پیدا ہو۔ یہ ساری کتابیں ایک عرصہ دراز تک صوبۂ پنجاب کے سرکاری مدارس میں رائج رہیں۔ ایسے موقع پر جبکہ سب سے پہلے اردو کے قاعدے کے لکھنے کی نوبت آئی، اس وقت یقیناً انھیں اردو حروفِ ابجد کی کتابت میں اصلاح کا بھی خیال آیا ہوگا۔ اور بلاشبہ انھوں نے ان میں اصلاح کی، کیوں کہ سابق میں عام طور پر اردو قاعدوں میں ٹ، ڈ اور ڑ کو ترتیب وار (ٹ)، (ڈ) اور (ڑ) لکھا جاتا تھا۔ واضح ہو کہ ہمارا اردو خط عربی نسخ سے ماخوذ ہے۔ جب یہ ہندوستان میں آیا اور یہاں کی بولیوں کو ادا کرنے کے لیے نئے حرفوں کو وضع کرنے کی ضرورت پیش آئی، تو واضعین نے عربی کے مماثل حروف ب، د اور ر کے پیش نظر ب کا نقطہ اڑا کر اس کے اوپر طوئے اور دال اور رے کے اوپر طوئے لگا کر علی الترتیب ٹ، ڈ اور ڑ حروف بنائے۔ چوں کہ نسخ کے حرفوں میں ایک سے تین تک کے نقطوں کا استعمال تھا ہی، اس لیے اردو میں ٹ، ڈ اور ڑ جیسے جدید حرفوں کے بنانے میں ابتدا میں چار نقطوں ہی سے کام لیا گیا۔ بعد ازاں ان کے استعمال میں طوالت اور رکاوٹ محسوس ہوئی تو ماہرینِ تعلیم نے اختصار اور سہولت کے مدِ نظر نقطوں کو ترک کرکے ان کی بجائے (ط) استعمال کرنا تجویز کیا اس لیے کہ خود (ط) کی الٹی شکل ۴ کے ہندسے کو ظاہر کرتی ہے اور اس سے چار (نقطوں) کا مفہوم بھی ادا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اوپر کے حرفوں کے لیے (ط) کا استعمال عام ہوا اور اردو رسمِ خط کی اصلاح عمل میں آئی۔ اس اصلاح کا سہرا ہم مولوی محمد حسین آزاد کے سر باندھتے ہیں اور انہی کو موجد قرار دیتے ہیں، اس وجہ سے کہ سنہ ۱۸۷۰ء تک اردو کی مطبوعات میں مذکورہ بالا حروف چار نقطوں ہی سے لکھے جاتے تھے۔ اردو میں غیر زبان کے الفاظ کی ادا کے لیے جو نئے حروف وضع کیے گئے، ان میں بالعموم (ط) ہی استعمال کیا گیا، لہٰذا اردو میں (ط) نئے حرف کی علامت ہے۔ اس کا عمل قدیم سے ण ہندی کے لیے جو اردو میں ڻ لکھا اور نونِ ثقیلہ کہلاتا ہے جاری ہے مثلاً کارڻ، مرڻ اور راوڻ وغیرہ اور ۱۹۵۸ء سے ष ہندی کے لیے جو اردو میں ښ لکھا اور شینِ ثقیلہ بولا جاتا ہے مستعمل ہے مثلاً: دوښ کوښ اور دیښ وغیرہ۔ (غلام رسول مصلح اردو خطارسم)

## استفسارات

قارئینِ ہماری زبان سے گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل اشعار کن شاعروں کے ہیں۔ نیز جوابوں کی بھی نشاندہی فرمادی جائے،

۱۔ تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی
ہاں مگر چین سے بسر نہ ہوئی

---

اے چرخ کتنے خاک سے پیدا ہوئے حسیں
تو ایک آفتاب کو چمکا کے رہ گیا

۲۔ ہفتہ وار "الوارث" بمبئی اب بھی شائع ہوتا ہے یا بند ہو چکا۔ اس کے ایڈیٹر کا نام کیا تھا۔ اور اس کے کون کون سے نمبر شائع ہوئے ہیں۔ کیا اب کوئی نمبر کہیں سے مل سکتا ہے۔؟

(م۔ د۔ معرفت "میکدہ دانش" بریلی یو۔ پی)

# انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے وفد کی وزیر اعلیٰ سے ملاقات

حیدرآباد ۔ ۸ ستمبر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے ایک وفد نے جو پروفیسر ہارون خان شروانی، جناب ڈی رامانج راؤ، جناب حبیب الرحمٰن، ڈاکٹر ایس۔ اے ماجن، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، جناب عابد علی خاں اور جناب سر یواس لاہوتی پر مشتمل تھا ریاستی چیف منسٹر جناب کے برہمانند ریڈی سے ملاقات کرکے موصوف کو ریاست میں اردو زبان کے بارے میں ایک یادداشت پیش کی ہے اس یادداشت پر دستخط کرنے والوں میں جناب سالم زرنگار صاحب بھی شامل ہیں۔ لیکن موصوف اپنی علالت کے باعث اس وفد میں شامل نہ ہو سکے چیف منسٹر سے وفد کی ملاقات کے وقت ریاستی وزیر صحت بھی موجود تھے جو سرکاری زبان کے وزیر بھی ہیں بتایا گیا ہے کہ چیف منسٹر اور وزیر سرکاری زبان نے اس بات سے اتفاق کیا ہے کہ انجمن کے مشورہ سے بہت جلد ایک حسب مع اعلان کیا جائے گا یادداشت کا متن حسب ذیل ہے۔

## سابق ریاست حیدرآباد

ہم انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی جانب سے حسب ذیل حقائق آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں اور متوقع ہیں کہ آپ ان پر سنجیدگی اور ہمدردی کے ساتھ غور فرمائیں گے یہ سب ہی جانتے ہیں کہ کم و بیش ایک صدی تک سابق ریاست حیدرآباد کی سرکاری زبان اردو رہی ہے علاوہ برایں اس نے ریاست کے تین علاقوں تلنگانہ مرہٹواڑہ اور کرناٹک کے درمیان رابطے کی زبان کا فریضہ بھی انجام دیا ہے ایک ایسے زمانے میں جب کہ برطانوی سامراجیوں کی گرفت ہمارے ملک پر مضبوط تھی اور انگریزی کا طوطی بولتا تھا ریاست حیدرآباد ہی نے برطانوی حکمرانوں کی شدید مخالفت کے باوجود عثمانیہ یونیورسٹی قائم کرکے ایک ہندوستانی زبان اردو کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار دینے کی ہمت کی تھی جس کو ہمارے قوم پرست مشاہیر گرو دیو رابندر ناتھ ٹیگور، شریمتی سروجنی نائیڈو اور دوسروں نے سراہا تھا۔ اردو اگرچہ ایک اقلیت کی مادری زبان ہے لیکن اپنے روزمرہ کے کاروبار میں اس کے بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد بالخصوص شہری علاقوں میں لاکھوں تک پہونچتی ہے یہی وجہ ہے کہ ملک کے اس خطے میں اردو کو ہمیشہ ایک خصوصی اور اہم موقف حاصل رہا غالباً اسی حقیقت کا احساس تھا کہ آندھرا پردیش کی تشکیل کے بعد اس کے ہر چیف منسٹر نے جن میں خود آپ بھی شامل ہیں وقتاً فوقتاً اعلان کیا کہ وہ اردو کو اس کے مقام سے گرنے اور اس کو انحطاط کا شکار ہونے نہیں دیں گے بلکہ اس کے استعمال اور ترقی کے لیے تمام مواقع فراہم کرنے کی ہر وہ کوششیں کریں گے جو ان کے اختیار میں ہے۔

## قانون سرکاری زبان

لیکن بدقسمتی سے جب سرکاری زبان کا مسودہ قانون گزٹ میں شائع ہوا تو اردو بولنے والوں کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اس لیے کہ اس مسودہ قانون میں اردو کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اس احساس شکنی سے ان کو غیر معمولی صدمہ پہونچا اور اس کے خلاف آندھرا پردیش کے طول و عرض میں اردو ہفتہ منایا گیا۔ اور بیسیوں احتجاجی جلسے منعقد کیے گئے جن میں تلگو بولنے والے بھائیوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہمارے اس مطالبے کی تائید کی کہ تاریخی اہمیت اور چیف منسٹروں کے ان وعدوں کے پیش نظر جو انھوں نے اپنے پبلک اعلانوں میں کیے ہیں اردو کو مسودہ قانون میں مناسب مقام ملنا چاہیے اردو کی تمام اہم تنظیموں کے نمائندوں، ممتاز شہریوں اور تمام سیاسی پارٹیوں سے تعلق رکھنے والے اراکین مقننہ کے دستخط سے ایک میمورنڈم متعلقہ وزیر کی خدمت میں پیش کیا گیا جس میں مسودہ قانون میں اردو کے مناسب مقام کے لیے چند ترمیمات تجویز کی گئی تھیں۔ اسی سلسلے میں مرحوم نواب مہدی نواز جنگ بہادر سابق گورنر گجرات کی قیادت میں ایک وفد نے آپ سے بھی ملاقات کی تھی۔ اس پوری جدوجہد کے نتیجے میں متذکرہ غیر سرکاری بل کو فوراً واپس لے لیا گیا اور خود حکومت نے انتہائی عجلت کے ساتھ اس کی بجائے ایک سرکاری مسودہ قانون پیش کیا اور رائے عامہ کے اظہار کا موقع دیے بغیر اس کو منظور کرا لیا اس بل میں اردو والوں کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کی خاطر بادل ناخواستہ حسب ذیل دفعہ کے لیے گنجائش نکالی گئی۔ ریاستی حکومت وقتاً فوقتاً آندھرا پردیش گزٹ میں اعلامیے جاری کرکے تلگو زبان کے علاوہ اردو یا کسی اور زبان کے استعمال کے بارے میں اس زبان یا زبانوں کے بولنے والوں کے مفادات کی خاطر ان علاقوں میں سرکاری مقاصد اور معینہ مدت کے لیے جن کی صراحت اعلامیہ میں کی گئی ہو ہدایت جاری کر سکتی ہے" اس دفعہ کے ذریعہ اردو زبان کے موقف کو کتنا گرا دیا گیا ہے اس کا اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ برایں اس سے اس خام خیالی کا بھی پردہ چاک ہو جاتا ہے جس میں اس دفعہ کے گھڑنے والے مبتلا ہیں اور یہ کہ یہ رعایتیں بھی عارضی مدت کے لیے ہیں لسانی ریاستوں میں لسانی اقلیتیں ایک مستقل حیثیت رکھتی ہیں اور ہمیشہ رکھیں گی۔ اس لیے یہ قیاس کرنا غلط ہوگا کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا۔ جب سرکاری معاملات میں اردو کے استعمال کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

## ایک اعلامیہ

یہ احساس کہ سرکاری زبان کے قانون میں اردو کے لیے صدق دل سے گنجائش فراہم نہیں کی گئی ہے اس تاخیر سے اور زیادہ شدید ہو جاتا ہے جو اس کے رد بعمل

لانے کے سلسلے میں کی جا رہی ہے قانون کو بنے اٹھارہ مہینے گذر گئے اور اس طویل مدت میں بس ایک اعلامیہ جاری کیا گیا جس کے ذریعہ بعض علاقوں میں محکمہ جنگلات، محکمہ صحت، محکمہ تعمیرات و شارع وغیرہ کے ٹنڈر نوٹس، ہراج کے اعلانوں، چٹ، فنڈروں اور سیل نوٹسوں جیسے مقاصد کے لیے اردو کے استعمال کی بعض افسروں کو اجازت دی گئی ہے حال ہی میں اسمبلی کے بعض اراکین نے اردو کے اس غیر اطمینان بخش موقف کے بارے میں حکومت کی توجہ مبذول کرائی تھی جو کہ قانون سرکاری زبان کے نفاذ کے بعد بھی برقرار ہے تو بتایا جاتا ہے کہ متعلقہ وزیر نے انھیں یقین دلایا ہے کہ وہ اعلامیہ کی خامیوں کا جائزہ لیں گے۔ وزیر موصوف کا یہ جواب غیر متعلق ہے اصل سوال کہ اردو کو قانونی ضمانت دے کر اس کے موقف کو محفوظ کرنے کے لیے حکومت نے کیا اقدام کیا ہے آج بھی جوں کا توں باقی ہے۔

**مطالبات** یہی وجہ ہے کہ ہم یادداشت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تاکہ پھر ایک بار آپ کو اردو والوں کے ان مطالبات سے واقف کرائیں جو وہ پچھلے کئی برسوں سے حکومت کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں مطالبات حسب ذیل ہیں۔

(۱) اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہ آندھرا پردیش میں بسنے والوں کی ایک بھاری تعداد اردو بولتی ہے اور وہ آبادی کے ایک قابل لحاظ حصّے کی مادری زبان ہے اردو کو علاقائی زبان قرار دیا جائے

(۲) ان علاقوں میں جہاں آبادی کا کم از کم ۱۰ فیصد حصّہ اردو بولتا ہے حسب ذیل سہولتیں فراہم کی جائیں۔

الف۔ اہم قوانین، قاعدے، ضابطے اور اعلامیے بشمول فہرست رائے دہندگان، برقی اور آبرسانی کے بل، راشن کارڈ وغیرہ اردو میں بھی جاری کئے جائیں۔

(ب) وکلاء کو عدالتوں میں اردو کے استعمال کی اجازت ہو اور عرضی دعوے، درخواستیں، سرانجے، حلف نامے وغیرہ اردو میں بھی قبول کئے جائیں۔ اگر فریقین فیصلے اور احکام کے اردو ترجموں کا مطالبہ کریں تو انھیں مہیا کئے جائیں۔

(ج) ضلع پریشدوں، پنچایت سمیتیوں اور دوسرے لوکل باڈیز میں اس کا انتظام کیا جائے کہ اگر کوئی رکن اردو میں تقریر کرے تو اس کارروائی کا ریکارڈ اردو میں بھی رکھا جائے۔

(د) تعلقہ اور ضلع کے دفتروں میں اردو بولنے والے اہل معاملہ کے لیے پوری پوری سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔

(ہ) داخلہ کے موقع پر دس طلبہ کی وقت واحد میں موجودگی پر اصرار کئے بغیر جو بعض اوقات ناقابل عمل ہو جاتی ہے۔ تحتانی اور ثانوی مدارس میں اردو کی متوازی جماعتوں کے قیام کا انتظام کیا جائے اردو اساتذہ کی ٹریننگ اور اردو نصابی کتب کی طباعت کا بھی انتظام کیا جائے۔

(و) تمام سرکاری عمارتوں کے سائن بورڈوں پر اردو میں بھی ان کے نام لکھے جائیں۔

(ز) مختلف سرکاری ملازمتوں میں تقرر کے اغراض کے لیے اردو کا بھی استعمال کیا جائے۔

(ح) ایوان مقننہ میں پیش ہونے والے مسودہ قانون منظور کردہ قوانین اور گورنر کے آرڈیننس کے لیے اردو بھی استعمال کی جائے ریاستی سرکار کی طرف سے جاری ہونے والے تمام احکام اتفاقی کے ضابطے اور ذیلی قوانین وغیرہ اردو میں بھی ہوں مقننہ کے اراکین کو اردو میں تقریر اور سوالات کرنے کی آزادی حاصل رہے اور ان کے جوابات بھی اردو میں دیئے جائیں مقننہ کی کارروائیوں کی رودادیں اور حکومت کے گزٹ اردو میں بھی شائع ہوں۔

ہمیں یقین ہے کہ آپ کی رہنمائی میں آندھرا پردیش کی حکومت ان مطالبات کو قانونی ضمانت دینے کے سلسلے میں جلد از جلد قدم اٹھائے گی۔

## اردو کی مقبولیت اور اہمیت کو گھٹانے کی کوشش

### کامیاب نہیں ہو سکتی

۸ ستمبر حیدرآباد۔ جناب مخدوم محی الدین نے واحد مشن منعقدہ میں مختلف زبانوں کے بولنے والوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے اپنے حالیہ دورہ شمالی ہند کے موقع پر زبان کے سلسلے میں مختلف قائدین سے صلاح و مشورہ کے تاثرات بیان کئے اس اجتماع کا اہتمام ادارہ مصنفین نو نے کیا تھا جس کی صدارت جناب راشد علی خاں ایڈوکیٹ نے کی۔

جناب مخدوم محی الدین نے کہا کہ اردو کا اپنا کوئی گھر شہر اور صوبہ نہیں ہے اس کے باوجود اردو ہندوستان کے تمام صوبوں میں بولی سمجھی جاتی ہے آزادی کے بعد اردو کی پامالی کے لیے سب کچھ کیا گیا لیکن ایسے عوام میں جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے اردو کی مقبولیت اور قیمت گھٹائی نہیں جا سکتی ہے۔

ہندی رسم الخط میں شائع ہونے والی کتابوں میں اردو کے ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات کو پسند کیا جاتا ہے۔ یہ مقبولیت ہندی کے ادب میں خود ہندی کے ادیبوں اور شاعروں کو حاصل نہیں ہے۔

جناب مخدوم نے کہا کہ شمالی ہند کے دورہ میں فراق گورکھپوری، علی سردار جعفری، ساحر لدھیانوی خواجہ احمد عباس اور کرشن چندر کے علاوہ ہندی کے بھی کئی ایک ممتاز اور نامور ادیب شامل تھے۔ لسانی اتحاد کے علمبردار ان دانشوروں نے پنجاب، ہریانہ، راجستھان، الہ آباد، کانپور، پٹنہ، گیا اور بہار کا دورہ کیا۔ انھوں نے اس توقع کا اظہار

کیا کہ پنجاب میں اردو جماعتوں کا قیام بہت جلد عمل میں آئے گا بہار میں بھی کچھ عرصہ بعد ہی اردو کا اس کا جمہوری حق مل جائے گا البتہ یو پی کے حالات ہنوز کشمکش میں ہیں۔ لسانی فسادات کی مذمت کرتے ہوئے جناب محی الدین نے امید و توقع کا اظہار کیا کہ شمالی ہند کے عوام میں لسانی اتحاد کا جو غیر معمولی جذبہ ہے وہ کامیاب و کامراں ہوگا۔

انھوں نے آخر میں آندھرا پردیش میں اردو کے موقف کے بارے میں انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے اس رویہ کی حمایت کی کہ ریاستی زبان قانون میں اردو کا موقف زیادہ قابل اطمینان نہیں ہے۔

## دہلی میں اردو بتدریج کم ہو رہی ہے

۱۹ ستمبر۔ دہلی میونسپل کارپوریشن میں پروگریسیو گروپ کے ڈپٹی لیڈر جناب جے پرکاش گوئل نے اردو کے شیدائیوں اور حامیوں کو خبردار کیا ہے کہ جن سنگھ دہلی میں اردو کو میٹھا زہر دے کر اس کا بتدریج خاتمہ کر رہا ہے۔

انھوں نے کہا کہ ڈی ٹی یو، بس اسٹاپوں، کارپوریشن کے ایجنڈوں، سائن بلیٹوں اور سرکاروں وغیرہ سے اردو کا دھیرے دھیرے خاتمہ کیا جا رہا ہے اور اب ان کی جگہ صرف ہندی یا انگریزی نظر آ رہی ہے۔

جناب جے پرکاش گوئل نے اس سلسلہ میں اعلان کیا ہے کہ جلد ہی اس معاملہ کو کارپوریشن کی اسٹینڈنگ کمیٹی میں اٹھایا جائے گا۔

جناب جے پرکاش گوئل نے اردو سے متعلق کارپوریشن کی پالیسی تفصیل سے پیش کرتے ہوئے کہا کہ ۱۹۵۸ء میں دہلی میونسپل کارپوریشن میں ایک ریزولیوشن پاس ہوا تھا جس میں ہندی کو کارپوریشن کی زبان تسلیم کیا گیا تھا اور اردو کو معاون زبان تسلیم کیا گیا تھا۔ اس تجویز کو تمام پارٹیوں بشمول جن سنگھ نے منظور کیا تھا۔ اب جب سے جن سنگھ برسر اقتدار آئی ہے تو اس کے صدر جناب بلراج مدھوک نے اردو کو پاکستانی زبان اور اردو کے حامیوں کو پاکستان کا ایجنٹ کہنا شروع کیا ہے۔ جن سنگھ نے دہلی میں اردو کو میٹھا زہر دینا شروع کر دیا ہے اور دھیرے دھیرے دعوت نامے، سائن بورڈ اور ایجنڈے وغیرہ اردو میں شائع کرنا بند کئے جا رہے ہیں۔

## اردو کے بارے میں مسٹر چھاگلا کا اظہار خیال

بمبئی۔ سابق وزیر خارجہ ہند جناب محمد علی کریم چھاگلا نے یہاں اپنی قیام گاہ پر اخباری نمائندوں کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے لسانی مسئلے پر اپنے خیالات کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ علاقائی زبانوں کو اگر ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا تو بہت جلد ملک کی رہی سہی یکجہتی اور اتحاد بھی ختم ہو جائے گا۔

ایک دوسرے سوال پر سابق وزیر خارجہ چھاگلا نے کہا کہ اردو زبان ملک کی مجموعی آبادی کی ایک بہت بڑی اقلیت کی زبان ہے۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اردو صرف مسلمانوں ہی کی زبان ہے۔ شمالی اور وسطی ہند کے ہندو اور دوسرے فرقوں کے لوگ بھی بہت بڑی تعداد میں اردو بولتے ہیں۔ صف اول کے اردو ادیبوں اور شاعروں میں کئی ہندو بھی شامل ہیں۔ جن کو بہر حال نظر انداز نہیں کیا جا سکتا"

آپ نے اس سلسلہ میں سر تیج بہادر سپرو کا ایک واقعہ پیش کیا اور بتایا کہ وہ جب زندہ تھے تو انھوں نے بھی ایک موقع پر یہی الفاظ کہے تھے۔ جنہیں میں دہرا رہا ہوں کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں۔

## انجمن ترقی اردو گوالیار کی مجلس عام کا سالانہ اجلاس

انجمن ترقی اردو شاخ گوالیار کی مجلس عام کا سالانہ اجلاس ۲۰ اگست بوقت ۷ بجے شب منعقد ہوا جس کی صدارت کے فرائض جناب قاضی ریاض الدین صاحب انصاری نے فرمائی۔

انجمن کے جنرل سکریٹری وقار صدیقی نے اپنی تقریر میں انجمن کی کارگزاری کی مفصل رپورٹ پیش کی۔ جناب کاشی ناتھ گپتا اور جناب نثار پرویز نے اردو کی تعلیم و ترقی سے متعلق کچھ تجاویز پیش کیں۔ جناب اشتیاق احمد نے ابتدائی درجات میں اردو کی تعلیم اور جناب اسلام الدین قریشی نے سنٹرل لائبریری گوالیار میں اردو کی کتابیں خریدنے اور بجٹ میں اضافے سے متعلق تجاویز پیش کیں۔

جلسے میں انجمن مذکور کی مجلس عاملہ کے عہدہ داروں اور ممبروں کا انتخاب عمل میں آیا اور اتفاق رائے سے مندرجہ ذیل حضرات عہدہ دار مجلس عاملہ منتخب کئے گئے۔

سرپرست (۱) جناب قاضی ریاض الدین انصاری
(۲) " فیاض الدین احمد خاں
(۳) محترمہ قاسمہ بیگم صاحبہ
صدر: جناب پنڈت وشو ناتھ کول
نائب صدر: (۱) جناب پریم چند کشیپ
(۲) " موتی لال شرما
(۳) " خضر محمد خاں
(۴) " کاشی ناتھ گپتا
جنرل سکریٹری (۱) " وقار صدیقی

سکریٹری:- (۱) جناب نثار پرویز

(۲) " اسلام الدین قریشی

(۳) " اشتیاق احمد

خازن:- جناب شمشاد علی خاں

اس کے علاوہ مجلس عاملہ کے اراکین کا بھی انتخاب ہوا۔ نیز جلسہ میں متعدد تجاویز اردو کی ترویج و ترقی کے سلسلے میں پاس کی گئیں۔

## اردو لٹریری اسوسی ایشن مدراس کے زیر اہتمام مشاعرہ

۳۰ ستمبر: اردو لٹریری اسوسی ایشن، مدراس کا ماہانہ طرحی مشاعرہ دفتر اسوسی ایشن آثار منزل بلیپا رکو گل اسٹریٹ ٹرپلیکین بوقت پانچ بجے شام منعقد ہوا۔ اور حضرت کمال مدراسی نے صدارت فرمائی اور حضرت علامہ آیر احسنی گنوری کی غزل سے مشاعرہ کا آغاز ہوا۔ جس میں جنوبی ہند کے مندرجہ ذیل شعرا نے حصہ لیا۔

آتش کرنولی، اخبار مدراسی، امین مدراسی، انجم مدراسی، انور مدراسی، بدر، پرواسا، حیات مدراسی، خورشید مدراسی، خضر مدراسی، درد مدراسی، راجی صدیقی، راز امتیاز، رہبر مدراسی، سرین، سحاب عنیاری، سرکار اشرف رو بانی، صابر مدراسی، ظہیر جعفری، فرید مدراسی، فرحت کیفی، فوقی، قدیر مدراسی، کاوش بدری، کشفی مدراسی، کاظم نائطی، گلاب مدراسی، مرزا، مخدوم عمردری، مختار، فاروق ناسر، نثار ٹکی، قابل ذکر ہیں طرحی دور کے بعد غیر طرحی دور کا آغاز ہوا۔ اختتام پر معتمد نے صدر محترم، اناؤنسر، شعرائے کرام اور حاضرین محفل کا شکریہ ادا کیا۔

(راجی صدیقی)

## انجمن ترقی اردو راجستھان کے اقدامات

۱۰ ستمبر: انجمن ترقی اردو راجستھان کی میٹنگ۔ راؤ بہادر پنڈت دتا ترائن صاحب بہادر کی صدارت میں بمقام "سوائی جے سنگھ اردو ریڈنگ روم جے پور منعقد ہوئی۔ حسب ذیل تجاویز بالاتفاق پاس کی گئیں۔

(۱) نائب صدر کی ایک خالی جگہ پر خان محمد حمید اللہ خاں صاحب وحید جودھپوری کو منتخب کیا گیا۔

(۲) ضلع جے پور میں انجمن کی ضلعی شاخ قائم کئے جانے کی سعی و کوشش کے لیے حکیم سعید احمد صاحب و ماسٹر عبدالسلام صاحب کو مامور کیا گیا۔ اور دیگر اضلاع کے صدر مقامات کی مقامی شاخوں کو برائے تعمیل سلسلہ خطوط جنرل سکریٹری صاحب انجمن ہذا۔ صدر صاحب کی جانب سے تاکیدی تحریر بھیجا جانا طے ہوا۔

(۳) ساہتیہ اکیڈمی راجستھان اودے پور نے شعرائے راجستھان کا تذکرہ ہندی میں شائع کیا ہے۔ جس کی ایک جلد جنرل سکریٹری صاحب کو بھیجی ہے، وہ پیش کئے جانے پر طے کیا گیا کہ ساہتیہ اکیڈمی کی اس اشاعت کا شکریہ ادا کیا جائے کہ اس نے اس کو اردو کی خدمت خیال کر کے شائع کیا ہے لیکن اگر اس کا یہ خیال صحیح ہے تو انجمن ہذا پر زور طور [illegible] پرستدعی ہے کہ ہندی کے شاعروں کا تذکرہ بھی اسی طرح اردو رسم الخط میں شائع کیا جائے۔ تاکہ مسادات کے علاوہ ایک دوسرے کے خیالات سے واقف ہو سکیں اور قریب تر ہو جائیں۔ اور دونوں زبانوں کی خدمت منجانب اکیڈمی ہو جائے۔

(۴) قرار پایا کہ مسائل اردو کو عملی طور پر حل کرانے کی غرض سے انجمن کا ایک وفد جس قدر جلد ممکن ہو منسٹر صاحب لسانی اقلیت راجستھان، اور ایجوکیشن منسٹر راجستھان [illegible] سے ملے کہ اب تک جس قدر احکام اردو کے لیے حکومت راجستھان جاری کر چکی ہے۔ ان کی واقعی تعمیل ہونے کا انتظار کے عمل ہونے تک سرگرم عمل رہے۔

(۵) سوائی جے سنگھ اردو ریڈنگ روم کے مستقل انتظام کے لیے بحیثیت منتظم و معتمد ڈاکٹر محمد حبیب صاحب ممبر انجمن ہذا کو نامزد کیا گیا اور اس غرض سے نواب محمد عبدالباقی خاں صاحب نائب صدر۔ ڈاکٹر محمد حبیب صاحب ممبر انجمن اور مولوی احترام الدین احمد صاحب شاغل جنرل سکریٹری پر مشتمل ایک سب کمیٹی کی تشکیل کی گئی۔

(۶) جودھپور کے مشہور و معروف بزرگ و کہنہ مشق تاریخ گو اور استاد شاعر حکیم حفیظ اللہ صاحب بخش صدیقی کا تعزیتی پیغام بھی منجانب انجمن ہذا بھیجا جانا طے ہوا۔ مرحوم بہت سی خوبیوں کے حامل، مشاق تاریخ گو، دیرینہ سخنور، مقبول عام اور مرنجان و مرنج ہستی تھے۔ ان کی وفات سے جودھپور میں جو جگہ ادبی دنیا میں خالی ہوئی ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے۔ مرحوم شاعر ہونے کے علاوہ اچھے نثر نگار بھی تھے۔

(احترام الدین احمد شاغل)

## انجمن ترقی اردو شاخ آگرہ کا انتخاب

۸ ستمبر: انجمن ترقی اردو شاخ آگرہ کا ایک جلسہ حضرت میکش اکبر آبادی کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں شہید اردو پنڈت برج نرائن پانڈو کو ان کی موت پر خراج عقیدت پیش کیا اور پرستار اردو جناب بعد دولت کو ان کی علالت بھوک ہڑتال پر مبارک باد پیش کی گئی۔ آئندہ سال کے لیے مندرجہ ذیل حضرات کا انتخاب عمل میں آیا۔

صدر:- پنڈت راج [illegible]

نائب صدر (۱) حضرت بیکل اکبر آبادی (۲) پروفیسر گوپال کرشن کھیبر۔

جنرل سکریٹری معین فریدی

جوائنٹ سکریٹری - جناب سید عبدالعزیز

پروپیگنڈا سکریٹری - جناب اسرار اکبر آبادی

خازن - جناب شان الٰہی فریدی

اس کے علاوہ مجلسِ عاملہ کے نو ممبران کا بھی انتخاب ہوا۔　　(معین الدین فریدی)

## شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی کی ریسرچ ایسوسی ایشن کا جلسہ

اردو ریسرچ ایسوسی ایشن کا دوسرا جلسہ ۱۸ ستمبر کو ۷ بجے شام میں منعقد ہوا۔ پروفیسر آل احمد سرور نے صدارت فرمائی۔ ڈاکٹر انصار اللہ نظر لکچرر شعبۂ اردو نے اپنا مقالہ اردو میں تدوین پڑھا جس میں بتایا گیا تھا کہ اردو میں تدوین کے کام کو عام طور پر نظر انداز کیا گیا ہے اور اس لیے اس کے اصول و ضوابط بھی مدون نہیں ہوئے ہیں اور اسی باعث تدوین کے جو کام ہوئے بھی ہیں ان کا معیار متوقع حد تک بلند نہیں ہو سکا ہے انھوں نے تدوین کے بعض اہم نمونوں کی بھی نشاندہی کی مقالہ پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی نے کہا کہ تدوین کے سلسلہ میں متن کی اہمیت پر بھی نگاہ رکھنی چاہیے اور یہ کہ غیر ضروری متن کی تدوین تضیع اوقات کے مترادف ہے ڈاکٹر خورشید الاسلام نے کہا کہ حاشیہ نگاری املا کی تصحیح وغیرہ کے لیے باضابطہ اصول ہونے چاہئیں۔

آخر میں صدرِ جلسہ نے مقالہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ تدوین کا کام کوئی میکانکی عمل نہیں بلکہ اس کے لیے ادبی مذاق، شعر و ادب کے ارتقاء سے گہری واقفیت تاریخی شعور شعر فہمی کی صلاحیت وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے ان صلاحیتوں کے ساتھ تدوین کے بیشتر مسائل خود ہی حل ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ گذشتہ بیس برسوں میں تحقیق و تدوین کا جو کام ہوا ہے وہ ہمارے ادب کے لیے نیک فال ہے۔ ڈاکٹر انصار اللہ نظر کی اس کوشش کو سراہتے ہوئے سرور صاحب نے کہا کہ ہماری یونیورسٹیوں میں ایسے اہم کاموں پر توجہ اور ان کاموں کے معیار میں ترقی، اردو والوں سے بہت سی توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

## اردو اپنے موجودہ رسم الخط کے ساتھ زندہ رہیگی

### انجمن ترقی اردو سیہور کا جلسہ

سیہور - انجمن ترقی اردو شاخ سیہور کا حال میں ایک جلسہ ہوا جس میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے بھوپال اسمبلی کے سابق اسپیکر جناب سلطان محمد خاں نے کہا کہ اردو کا رسم الخط بدلنے کی ہر کوشش کی مخالفت کی جائے گی۔ اردو زندہ رہے گی اور اپنے موجودہ رسم الخط کے ساتھ زندہ رہے گی کیونکہ رسم الخط کے بغیر زبان کا تصور ممکن نہیں - اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے گورنمنٹ کالج سیہور میں اردو شعبہ کے نگراں جناب آفاق احمد نے کہا کہ ملک کی ترقی کے نقشہ میں اردو کو اپنا رنگ بھرنا ہے۔ اور ہر وہ شخص اردو سے پیار کرتا ہے جسے شریفانہ خصلتوں سے پیار ہے۔

انجمن کے عام ممبروں کے اس جلسہ میں سال رواں کے لیے انتخابات بھی عمل میں آئے اور متفقہ طور پر جناب سلطان محمد خاں کو صدر منتخب کیا گیا۔ دوسرے عہدیداروں میں محمد احمد صاحب ٹھیکیدار اور مظفر حنفی نائبین صدر، جناب فاروق عندلیب جنرل سکریٹری۔ جناب محمد میاں آرٹسٹ آفس سکریٹری، ماسٹر عبدالعزیز سکریٹری اور جناب عباسی جوائنٹ سکریٹری منتخب کیے گئے۔ پروفیسر آفاق احمد کو ریاستی انجمن کے لیے منتخب کیا گیا جبکہ ڈاکٹر حیدر شاہین، ماسٹر یعقوب سلیم، پرنسپل خلیل احمد صاحب، شفیق محمد خاں صاحب، شمیم احمد صاحب، قمر الحسن صاحب نقوی، سلطان حسین صاحب، عبدالباسط صاحب اور شریعت الحسن صاحب پر مشتمل ورکنگ کمیٹی تشکیل دی گئی۔

(نامہ نگار)

## ریوا میں انجمن ترقی اردو کے انتخابات

سابق وندھیہ پردیش کی راجدھانی ریوا میں انجمن ترقی اردو ہند کی باقاعدہ شاخ قائم کی گئی اور ممبر سازی کی تکمیل کے بعد وہاں پرستاران اردو نے اپنی انجمن کا سالانہ انتخاب کیا جس میں جناب حامد رضا کو صدر اور جناب وکرم جیت سنگھ کو جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا۔ مدھیہ پردیش ریاستی انجمن میں نمائندگی کے لیے پروفیسر مجاہد اللہ خاں منتخب کیے گئے۔ دیگر عہدیداران مجلس عاملہ میں مندرجہ ذیل اصحاب شامل کیے گئے۔

جناب محمد غوث (نائب صدر) جناب عبدالاحد (سکریٹری)

ڈاکٹر بی - ایم خاں (خازن) جناب محمد سلطان (محاسب)

جناب حسن زیدی (ناظم نشر و اشاعت)

اس موقع پر انجمن کا جلسہ بھی ہوا جس میں اردو کو مقبول بنانے اور انجمن کی تحریک کو تقویت دینے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔　　(نامہ نگار)

**ہماری زبان**

کو مضامین و مراسلات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔　　(ادارہ)

# تبصرے

عتیق احمد صدیقی

**تحریر،** جلد ۱ شمارہ ۱ جنوری تا مارچ ۱۹۷۶ء

ملنے کا پتہ: علمی مجلس، ۲۷۳۱ چھتہ نواب صاحب، فراشخانہ دہلی۔

قیمت: سالانہ ۱۲ روپے، ایک شمارہ کی قیمت ۳.۵۰ روپے

علمی مجلس دہلی کے زیر اہتمام یہ سہ ماہی رسالہ جاری کیا گیا ہے۔ مرتب کی حیثیت سے اردو کے دیدہ ور محقق جناب مالک رام صاحب کا نام اس رسالہ کے تعارف کے لیے کافی ہے۔ رسالہ جاری کرنے کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ اردو میں تحقیقی کام کرنے والے احباب اور اداروں سے تعاون کر کے ایسی چیزیں منظر عام پر لائی جائیں جن سے واقعی زبان کے سرمایہ میں اضافہ ہو۔ یہ مقصد بجائے خود اعلیٰ بھی ہے اور مفید بھی اور کساد بازاری کے دور میں سنجیدہ و تحقیقی موضوعات پر مبنی رسالہ کا اجرا ایک جرأت مندانہ اقدام بھی ہے اس کے لیے علمی مجلس کے کارکن بجا طور پر قابل مبارکباد ہیں۔

پہلے شمارہ میں ہی متنوع موضوعات پر ملک کے مستند و معتبر اہل قلم کے سات طویل و مختصر مقالات پیش کئے گئے ہیں۔ اسے ایک خوش آئند آغاز کہا جا سکتا ہے کہ ایسے حضرات کا تعاون اس رسالہ کو حاصل ہے اور بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے کہ تحقیق کرنے والوں کے تعاون و اشتراک کا یہ حلقہ اور زیادہ وسیع ہوگا۔

ایسے سنجیدہ اور علمی رسالوں سے بجا طور پر دو باتوں کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ ان میں مستند و معتبر تحریریں ہی شائع ہوں۔ دوسرے یہ کہ ان میں املا، کتابت و طباعت کا بھی ایسا معیار قائم کیا جائے جو سند کا کام دے سکے۔ ہمارے کچھ رسالوں سے پہلی توقع پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن دوسری ضرورت سے عام طور پر صرف نظر کیا جاتا ہے۔ اس کی ذمہ داری کسی حد تک مصنفین پر اور کسی حد تک اشاعتی اداروں پر ہے۔ زیر نظر شمارہ کے چند اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ایک آدھ جگہ ایسے جملے ملتے ہیں۔

"کلام ..... یہاں درج کر دیا جاتا ہے تاکہ ایک جگہ محفوظ ہو جائے" ص۲۷

"گویا تقریباً دو سو اشعار کا یہ مجموعہ رہا" ص۳۶

۲۔ بیدار صاحب کے مضمون میں شاعر کے لیے کہیں صیغۂ واحد اور کہیں صیغۂ جمع استعمال کیا گیا ہے۔ عام طور پر صیغۂ جمع استعمال کیا جاتا ہے۔ پھر بھی ایک ہی مقالہ میں یکسانیت کا ہونا ضروری ہے وہ کسی بھی صیغہ میں ہو۔

۳۔ علامات اوقاف کا زیادہ خیال نہیں رکھا گیا اور جہاں ان کا استعمال ہوا ہے، ناقص کتابت کی وجہ سے بے اثر ہو گیا ہے۔

۴۔ ہائے مختفی پر ختم اور امالہ کے ساتھ استعمال ہونے والے الفاظ کے املا میں یکسانیت نہیں ہے۔ امالہ کے ساتھ "مطالعہ" "نمونہ" "حصہ" کا املا "مطالعے" "نمونے" "حصے" (ص۲۰) ہے اور "طبقہ" کا املا "طبقہ" (ص۳۸)، "خاتمہ" کا "خاتمہ" (ص۱۵۹) وغیرہ۔

۵۔ حاشیہ کے نمبر لکھنے میں بھی عدم یکسانیت ہے۔ کہیں مندرجہ علامت شعر (سہ) کے ساتھ لکھا گیا ہے اور کہیں اس کے بغیر، کہیں مضمون میں شروع سے آخر تک ہندسوں کی مسلسل ترتیب رکھی گئی ہے، کہیں ہر صفحہ پر نیا سلسلہ قائم کیا گیا ہے۔

۶۔ کتابت خاص ناقص ہے۔ خاص طور پر ابتدائی چالیس پچاس صفحے کتابت کی غلطیوں سے پر ہیں۔ بعض بعض صفحات پر متعدد غلطیاں موجود ہیں۔

۷۔ پیراگراف کے شروع کرنے میں روش عام سے ہٹ کر ابتدائی سطر کے شروع میں جگہ نہیں چھوڑی گئی۔ یہ اچھا ہے۔ لیکن جہاں کہیں پہلے پیراگراف کی سطر پوری لمبائی میں آگئی ہے دوسرے پیراگراف کا امتیاز کرنا مشکل ہوا ہے۔ ترتیب کی اس صورت میں دو پیراگراف کے درمیان ایک سطر کی جگہ چھوڑی جائے تو بہتر ہے۔

یہ اور اس طرح کے بعض دیگر نقائص ادارہ کی ذرا سی توجہ سے دور ہو سکتے ہیں۔ ادارہ اس طرف بھی توجہ کرے تاکہ رسالہ کے معنوی اعتبار کے ساتھ اس کا صوری اعتبار بھی قائم ہو سکے۔

صفحہ ۴ سے آگے

و سرکاری دفاتر پر اردو رسم الخط میں بورڈ لگانے سے ہی زبان زندہ رہے گی یہ سوچنا بہت بڑی غلطی ہے۔ اردو کا مستقبل اس وقت تک شاندار نہیں کہا جا سکتا جب تک اردو زبان کے ذریعہ تعلیم کا بہتر بندوبست نہیں کیا جاتا۔

و ان مسائل کی طرف ہماری زبان کے اداریوں میں کئی بار توجہ دلائی جا چکی ہے۔ اس مضمون کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے تاکہ سب پہلو واضح ہو جائیں۔

(ادارہ)

---

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔